© rasailojaraid.com

حافظ عبد الرشید ارشد

ترس گئے ہیں تری آوازِ دل کشا کے لئے

شروع میں بغیر کسی تکلف یا انکسار کے عرض ہے کہ راقم آثم نہ تو صاحبِ علم ہے اور نہ ہی صاحبِ قلم۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ کی حد تک صاحبان علم و قلم اور اپنے دائرہ وحالات کی حد تک اہم خطیب حضرات کو سُنا پڑھا جانچا اور بہت قریب سے دیکھا۔ زیرِ قلم مضمون میں چونکہ اُردو اور برصغیر کی علاقائی زبانوں کے سب سے بڑے خطیب کا تذکرہ ہے۔ لہذا میں کوشش کرونگا کہ اپنے وَاردَات ومشاہدات پیش کروں، متعلقات پر اس نمبر میں اور بہت مضمون ہوں گے---- اختر شیرانی نے کہا تھا "کہ ہندوستانی مسلمانوں کی ادبیات نے تین جامع شخصیات پیدا کیں، ابوالفضل، اسد اللہ خاں غالب اور ابوالکلام آزاد----" میں کبھی کبھی سوچا کرتا ہوں کہ خطابت میں جامع الصفات---- وجاہت، خوبصورتی، مردانگی، آواز، اثر اور قرآنی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کے معانی اور پھر موزوں اشعار عام فہم بیان و خطاب اور ایسا لہجہ اور انداز کہ ایک دیہاتی اور تانگہ بان سے لے کر ابوالکلام آزاد، علامہ اقبال، محمد علی جوہر، علامہ شبیر احمد عثمانی، صلاح الدین احمد، مولانا احمد علی، مولانا محمد ابراہیم جگرانوی رحمہم اللہ، غرضیکہ ہر طبقہ وخیال اور کند ذہن اور عبقری، دیہاتی، شہری، علماء، صوفیاء، انگریزی داں، فلسفی و دانشور سبھی بیک وقت مستفید و مستفیض ہوں---- ایسا خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ شاید کسی بھی اُمت، کسی بھی ملک میں نہ پیدا ہوا ہو---- جلال و جمال، حُسنِ صورت اور حسنِ صوت جس لحاظ سے بھی دیکھیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ اُمتِ مسلمہ کے فردِ وحید خطیب تھے۔

میں نے "بیس بڑے مسلمان" کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے سات آٹھ سال کی عمر میں امیرِ شریعت رحمہ اللہ کی پہلی تقریر سُنی لیکن اس کے بعد کئی دفعہ غور کیا، سوچا، تو محسوس ہوا کہ اس عمر کی تو مجھے بہت سی ایسی باتیں یاد ہیں جن کا تعلق فہم و شعور سے ہے اگر یہ تقریر اس عمر میں سُنی ہوتی تو بہت سی باتیں یاد ہوتیں۔ لامحالہ یہ پانچ برس کی عمر کے لگ بھگ کی بات ہو گی جب ۱۹۳۷ء کے الیکشن ہو رہے تھے کہ ایسے ہی حالات میں زعمائے احرار کا دورہ دیہات میں ہوا ہو گا کہ جس میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی رحمہ اللہ اور حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ اور خواجہ عبدالرحیم عاجز، نکودر (ضلع جالندھر) تحصیلی مرکز سے چھ میل دُور محسم پور میں تشریف لائے ہوں گے کہ مجھے اس جلسہ میں سوائے "بخاری وحبیب" کے چھرے اور عاجز مرحوم کی پنجابی نظم کے مطلع کے اور کچھ یاد نہیں۔

رتیں سُتیاں پیاں ہنوں اک خواب آ گیا
گئے بدیشی ایتھوں، ایتھے انقلاب آ گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہی دنوں عاجز مرحوم کی ایک اور نظم بہت مشہور تھی جس کے چند شعر یاد رہ گئے ہیں:

او مسلماناں کدھر گئی اج مسلمانی تری
دین لئی ہندی وقف سی کدی زندگانی تری
لے گئی سی روہڑ کے پربت کفر دے بے شمار
آئی سی جد عرب وِلوں چڑھ کے طغیانی تری
رکھ دتی توں راہ مولا فرزند دے گل تے چُھری
بُھل نہیں سکدی کدی دنیا نوں قربانی تری
نس گئے سن تخت چھڈ کے کئی بہادر سُورمے
جس جگہ بھی جا کے چمکی تیغ برآنی تری
عاجزاں وانگوں کیوں جھکدا جاوناں ایں ہر جگہ
نہ جھکی سی کسریٰ دے اگے پیشانی تری

عاجز مرحوم سے متعلق ایک اور بات یاد آئی کہ ۱۹۲۹ء میں کانگرس کا راوی کنارے جو اجلاس ہوا تھا اس میں موصوف نے جب ایک ولولہ انگیز نظم پڑھی تو مولانا ابوالکلام آزاد مائیک پر آئے اور کہا کہ جب میں جنت میں جاؤں گا اور اللہ کے فضل سے اُمید ہے ایسا ہو گا تو عاجز کا بازو پکڑ کر ساتھ لے جاؤں گا۔

اس طرح گویا میں نے اس نوعمری میں تین عظیم المرتبت شخصیتوں کی زیارت کی۔ رئیس الاحرار رحمہ اللہ، امیر شریعت رحمہ اللہ، اور عاجز مرحوم کی نسبت سے یہ یاد میری زندگی کا اتنا بڑا سرمایہ ہے کہ اس پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہوں۔ شہروں سے دُور ستلج کے کنارے ایک گاؤں میں ان حضرات کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

امیرِ شریعت رحمہ اللہ، کی دوسری زیارت نکودر میں ہوئی جہاں عید گاہ میں مجلسِ احرارِ اسلام کی ڈسٹرکٹ کانفرنس تھی اور یہ بھی اس دور کے لگ بھگ کی بات ہے اس میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ، کی ایک بات یاد ہے کہ ایک دیہاتی عورت آٹا گوندھ رہی تھی کہ کہیں دور سے ڈھول کی آواز آئی وہ عورت آٹا گوندھنے کی بجائے کھڑے ہو کر دھمال ڈالنے لگی۔ گھر والوں نے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے تو اس نے کہا سُنتے نہیں کہ ڈھول کی آواز آ رہی ہے انہوں نے کہا کہ آواز تو کہیں بہت دور ہے تو اس نے اس کیفیت میں کہا:

ایتھے کی تے اوتھے کی

چونکہ یہ بات ایسی تھی کہ ایک چھوٹا بچہ یاد رکھ سکتا ہے لہذا یاد ہے لیکن یہ یاد نہیں کہ یہ مثال کس بات کو سمجھانے کے لیے دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ سوائے اس کے اور کچھ یاد نہیں کہ اس کانفرنس کے صدر استقبالیہ علاؤلپور کے صاحبزادہ سید سلیمان صاحب تھے جو قیامِ پاکستان کے بعد سانگلہ میں آباد ہوئے انہوں نے طویل سپاسنامہ یا خطبۂ استقبالیہ پڑھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ لوگ اس طویل تحریر سے بور ہو رہے ہیں کہ سامعین اور علاقہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقریباً دیہاتی تھا۔ اس کانفرنس میں صاحبزادہ سید فیض الحسن بھی تھے۔ مذکورہ بالا دونوں جلسوں کے متعلق میں نے بہت احباب سے دریافت کیا، کب تھے لیکن کسی نے تسلی بخش جواب نہیں دیا کہ جس سے میں صحیح سن کا تعین کر سکوں۔

اس کے بعد تیسرا جلسہ تلون ضلع جالندھر میں ہوا کہ جہاں کے مشہور لیڈر حبیب اللہ سعدی مرحوم خاکساری تھے اور اگر میری یادداشت کام کرتی ہے تو مولانا ضیاء الرحمان فاروقی کے والد ماجد مولانا محمد علی جانباز بھی اس قصبہ کے تھے۔ میں ان دنوں پرائمری کرنے کے بعد مدرسہ عربیہ رائے پور گوجراں میں قرآنِ مجید یاد کر رہا تھا اس جلسہ میں بھی رئیس الاحرار ساتھ تھے۔ رائے پور میں ہمارے استاد و مربی حضرت مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ، جو قیامِ پاکستان کے بعد چک نمبر ۱۱ چیچہ وطنی میں آباد ہوئے، لمبے شمیم اور ہمارے نزدیک خاصے وجیہ تھے اور واقعتاً وجیہ تھے لیکن اب بات جب ہو رہی ہے تو لکھنا پڑتا ہے کہ حضرت مولانا جب حضرت شاہ صاحب کے ساتھ سٹیج کی طرف بڑھ رہے تھے تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گو حضرت مولانا وجیہ ہیں لیکن حضرت شاہ صاحب کے ساتھ آتے ہوئے شاہ صاحب ہی نظر آ رہے تھے کہ ان کے علاوہ کسی پر نظر نہ ٹکتی تھی یہ ان دنوں کی بات ہے جب ۱۹۴۶ء کے انتخابات کی توقع کی جا رہی تھی۔ ان دنوں چونکہ میں قرآنِ مجید حفظ کر رہا تھا لہٰذا پہلی دفعہ محسوس ہوا کہ ہم تو قرآن پنجابی میں پڑھ رہے ہیں۔ عربی قرآن مجید تو یہ ہے جس کی تلاوت شاہ صاحب فرما رہے ہیں۔۔۔ یہاں اچھی خاصی سیاسی تقریر تھی۔ چونکہ یہ بھی علاقہ دیہاتی تھا لہٰذا ایسی عام فہم تقریر تھی کہ جس کو گھاس کھودنے والے دیہاتی بھی سمجھ سکیں۔۔۔۔ اور ان تینوں جلسوں کی حاضری کا حال یہ تھا کہ آج لاہور ایسے شہر میں بھی اتنے بڑے جلسے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ میں ساری تقریر میں مسلسل ٹکٹکی باندھے حضرت شاہ صاحب کی طرف دیکھتا رہا اب سب باتیں سمجھ آ رہی تھیں۔۔۔۔ رئیس الاحرار اور امیرِ شریعت رحمہم اللہ، کی تقریریں ایک ہی نشست میں ہوئیں رعد کی کڑک اور بجلی کی چمک تھی۔

اس کے بعد ۱۹۴۶ء کا الیکشن آ گیا اور نکودر کی صوبائی نشست پر مجلسِ احرار اسلام کی جانب سے حضرت مولانا محمد علی جالندھری، مسلم لیگ کی جانب سے میرے رشتہ میں پھوپھا چودھری ولی محمد گوہیر اور یونینسٹ پارٹی کی جانب سے چودھری اسد اللہ خاں (آنریری مجسٹریٹ) کھڑے تھے ہمارے علاقے میں ایک بہت بڑا گاؤں سنگووال تھا جس میں ہمارے ایک بزرگ چودھری اسد اللہ خاں کے بہت قریبی دوست تھے باقی سارا گاؤں احرار کا حامی تھا۔ گوہیر صاحب مرحوم یہاں کے ایک بڑے قریبی گاؤں پرجیاں کے تھے اور اسد اللہ خاں مرحوم کا قصبہ مہت پور بھی دو میل پر تھا لہٰذا اس جلسے کی بہت دھوم تھی۔ ہم جلسہ گاہ جا رہے تھے اور مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ اور امیرِ شریعت رحمہ اللہ پیدل گاؤں کی جانب آ رہے تھے لوگ مصافحوں کے لیے ٹوٹے پڑتے تھے۔۔۔۔ حضرت شاہ صاحب کی عقابی نگاہیں دائیں بائیں لوگوں کو دیکھ رہی تھیں آپ نے دیکھا کہ ایک دو آدمی راستے سے ایک طرف گم سم کھڑے ہیں شاہ صاحب اِدھر گھوم گئے اور اُن سے پنجابی میں مخاطب ہوئے کہ "تُسیں اک پاسے کیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھلوتے ہو" انہوں نے بڑی مدھم آواز میں کہا کہ "اسیں چوڑھے آں" ہم خاکروب ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر کیا ہوا آؤ گلے لگو اور اُن سے پُرزور انداز میں معانقہ و مصافحہ کیا اور سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ وہ بھرے جلسے میں پورے خاندان کو لائے اور مسلمان ہوگئے---- میں کبھی کبھی سوچا کرتا ہوں کہ ہندوؤں کو ہم گالیاں دیتے ہیں لیکن اُن کے رسوم و رواج ہماری تہذیب و تمدن میں رچے بسے ہیں وہ اچھوتوں اور مسلمانوں کو اپنے برتنوں کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے ہم نے ہندوؤں کو تو کچھ نہ کہا لیکن اچھوتوں سے وہی برتاؤ کیا جو ہندو ہم سے کرتے تھے۔ اگر ہم ان سے وہ برتاؤ کرتے جس کا اسلام نے ہمیں سبق دیا ہے تو ہندوستان کے سب اچھوت مسلمان ہوجاتے مسٹر گاندھی نے تو ان کو قریب کیا لیکن ہم اسی طرح ان سے نفرت کرتے رہے قیامِ پاکستان کے بعد سب خاکروب عیسائی ہو گئے اور ہمارا معاملہ اب بھی ان سے وہی ہے اور یورپ سے انگریز پادری آکر ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا ہے ہم پادری اور انگریزوں کو اب تک گلے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ لیکن اپنے ملک کے عیسائیوں کو اسی طرح اچھوت سمجھتے ہیں جس طرح قیامِ پاکستان سے پہلے سمجھتے تھے۔ اگر متحدہ ہندوستان میں ہم ان سے انسانی اسلامی سلوک کرتے تو ہندو اکثریت میں نہ ہوتے مسلمان اکثریت میں ہوتے اور پاکستان کے مطالبہ کی نوبت ہی نہ آتی۔ اکبر نے ہندو راجاؤں سے تو رشتے ناطے کئے مگر اچھوتوں کو قریب نہ کیا اور افسوس زیادہ علما پر ہے کہ انہوں نے بھی اِدھر توجہ نہ دی۔

یہاں ایک واقعہ لکھنا ضروری ہے جن دنوں مسٹر گاندھی ہندوؤں کو کہہ رہے تھے کہ اچھوتوں کو اپنے مندروں میں آنے دو اور کنوؤں پر جانے دو اور خود اچھوتوں کی بستی میں رہنے لگے تو مخدوم و محترم حضرت مولانا محمد ابراہیم جگرانوی رحمہ اللہ نے خیال کیا کہ مسٹر گاندھی کی تو یہ سیاسی چال ہے ہمارا تو دین اس کا حکم دیتا ہے کہ انسانیت کا احترام کیا جائے چنانچہ انہوں نے اپنے علاقے میں یہ مہم چلانا چاہی اور ایک گاؤں کے خاکروبوں سے کہا کہ ہم تمہارے گھر میں کھانا کھائیں گے لیکن اس طرح کہ تم ہمارے سامنے ہاتھ دھو کر برتن صاف کر کے ان میں کھانا پکاؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا حضرت مولانا رحمہ اللہ نے کھانا کھایا قاری عصمت اللہ مرحوم ان کے ساتھ تھے وہ سُناتے تھے کہ مولانا تو بڑے سکون اور جمعیتِ خاطر سے کھانا کھا رہے تھے۔ بڑا اچھا گوشت اور حلوہ پکا تھا لیکن میں جب لقمہ منہ میں ڈالتا تھا تو وہ بجائے حلق کے نیچے جانے کے معدہ میں پہلی چیزوں کو بھی اوپر لا رہا تھا حضرت مولانا رحمہ اللہ سے بھی میں نے یہ قصہ سُنا، فرماتے تھے کہ لوگ ارد گرد جمع ہوگئے اور یہ خبر آناً فاناً علاقے میں پھیل گئی اور اگر میں کسی گاؤں میں جاتا تھا تو اس گاؤں کے لوگ خصوصاً بچے میری طرف اشارہ کرکے کہتے تھے "ایہہ او مولوی آ، جیہڑا چوہڑا ہوگیا----" اگر سب علماء ایسا کرتے تو وہ صورت ہوتی جو سنگووال میں ہوئی۔

سنگووال کی جلسہ گاہ ایک بڑا میدان تھی میں اب ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ جیسے لوگ موچی دروازہ یا مینارِ پاکستان کو ٹولیوں اور قطاروں کی صورت میں جلسہ گاہ کو جا رہے ہوں---- میں سٹیج کے قریب اتنا قریب بیٹھا کہ شاہ صاحب کا قریب سے بغور مشاہدہ کر سکوں اس علاقے میں چونکہ یونینسٹ پارٹی کے اُمیدوار کا آنریری مجسٹریٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے کا رعب تھا لہٰذا حضرت شاہ صاحب کی تمام تر توجہ یونینیسٹ پارٹی اور اسد اللہ خاں کی طرف رہی اور شاہ صاحب ان صاحب کو پہلے سے جانتے تھے کیونکہ وہ صاحب دو دفعہ پہلے احرارِ اسلام اور راعی برادری کے اُمیدوار کے مقابلہ میں علی الترتیب ڈسٹرکٹ کونسل، اور صوبائی سیٹ پر کھڑے ہو کر ہار چکے تھے۔ لیکن اب پھر کھڑے تھے، اور زخم خوردہ سانپ کی طرح تھے لہٰذا شاہ صاحب نے اس جلسہ میں انہی کے متعلق تقریر کا زیادہ حصّہ صرف کیا اور مشہور کہاوت

موتیاں دے لونگ والیے تیری ہر مسّیا بد نامی

پڑھ کر اس کی خوب تشریح کی کہ ہمارے علاقے میں ہندو نام کو تھے اور "مسّیا" کا مفہوم نہ سمجھتے تھے لہٰذا اس کا سیاق وسباق بیان کیا۔ اب بھی شاید اکثر احباب اس کا مفہوم نہ سمجھ سکیں۔ "مسّیا" سکھوں کا ایک تہوار ہے جس میں مرد عورتیں رات کو کسی ندی، دریا یا چشمے پر نہانے جاتے ہیں۔ آماس سنسکرت میں مہینہ کو کہتے ہیں، اس سے "مسّیا" بنا۔

ایک شخص نے شاہ جی کو چٹ دی کہ گذشتہ صوبائی انتخاب میں مولوی پیر محمد کے لڑکے میاں عبدالرب کو آپ نے مجلس کے ٹکٹ پر کامیاب کرایا تھا۔ لیکن وہ سکندر حیات کے ساتھ مل گئے تو اگر اب مولانا محمد علی جیت کر کسی دوسری پارٹی میں چلے گئے تو پھر کیا ہوگا۔ اس پر شاہ صاحب نے آدھ پون گھنٹہ زمینداروں کے فہم کے مطابق مختلف مثالیں دیں کہ اگر ایک سال ٹڈی دل کھیتی چٹ کر جائے تو کیا تم اگلے سال گندم بونا چھوڑ دیتے ہو۔ اگر ایک سال یا دو سال مسلسل کماد کو کیڑا لگ جائے تو کیا کماد کی کاشت کرنا ترک کر دیتے ہو۔ اگر کسی سال خربوزے کی فصل اچھی نہ ہو تو کیا اگلے سال خربوزے کا خیال چھوڑ دیتے ہو۔ اور پھر آخر میں کہا کہ اگر تمہارے ایک دو بچے پیدا ہو کر مر جائیں تو کیا بیوی کے پاس جانا چھوڑ دیتے ہو--- نہیں بلکہ پہلے سے زیادہ جدوجہد وسعی کرتے ہو کہ پہلی تلافی بھی ہو اور پھر مولانا محمد علی کی جانب متوجہ ہو کر کہا کہ اس دفعہ ہم نے ایک ایسا جنا "جوانمرد" کھڑا کیا ہے کہ جس کے متعلق سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ جیت کر کسی اور پارٹی سے مل جائے گا، اور مولانا کے متعلق خاصی تعریفی تقریر کی "ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا" مثالیں دے کر خطاب کرنا شاہ صاحب پر ختم تھا۔

چند دن بعد چودھری ولی محمد گوہیر کے گاؤں "پرجیاں" میں جلسہ تھا اور جلسے کا اہتمام سکول کی وسیع گراؤنڈ میں تھا جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ کا خطبہ اور نماز حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہی وال نے پڑھائی جو ان دنوں خیر المدارس جالندھر میں استاد حدیث تھے۔ "پرجیاں کلاں" بہت بڑا گاؤں تھا پورا علاقہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر سُننے کے لئے اُمڈ آیا تھا۔ اس زمانہ میں کسی گاؤں میں پندرہ بیس ہزار کا مجمع آج کے لاکھوں کے برابر تھا اور پھر جبکہ آج کل کے اخبارات پانچ سات ہزار کے جلسے کو لاکھوں کا مجمع بنا دیتے ہیں۔ وہ جلسہ آج کل لاہور کے بڑے جلسوں کے برابر تھا۔ جمعہ کے بعد مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کی تقریر تھی۔ ایک جانب گوہیر صاحب کرسی پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ چونکہ تحریکِ پاکستان کا زور تھا لہٰذا مخالف موافق دونوں کا اجتماع تھا گو دیہاتی علاقہ تھا تاہم شرافت تھی تھوڑا بہت شور وغُل ہوا شاہ صاحب سکول کے کمرے میں تھے شور سُنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو فوراً جلسہ کی جانب آئے مجھے خوب یاد ہے کہ نسواری (براؤن) رنگ کی چادر باندھے ہاتھ میں لمبے دستے کی کلہاڑی لئے جسے پنجابی میں "ٹکوا" کہتے ہیں جلسہ کی طرف ذرا تیزی سے آئے مولانا جالندھری رحمہ اللہ کو فرمایا کہ تم تقریر ختم کروانہوں نے آخری کلمات کہے اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تقریر شروع کی۔ بہت مختصر خطبہ پڑھا کہ وقت بھی کم تھا، اور تحریکِ پاکستان کے موضوع پر تنقیدی تقریر کی۔ آپ نے اپنی اس کلہاڑی کو سر کے برابر بلند کیا اور لکڑی کے دستے کے دونوں سروں کے متعلق کہا کہ یہ پاکستان ہے اور درمیان میں طویل ترین علاقہ ہندوستان ہے۔ اگر اِدھر کی جانب کوئی ضرورت ہوئی تو اُدھر سے امداد نہیں پہنچ سکے گی اور ایسا ہی اس کے برعکس ہوگا اور یہ کہنا کہ ہندوستان چکی کے دو پاٹوں کے درمیان ہوگا محض طفل تسلی اور غلط فہمی ہے۔ نقصان ہمارا ہوگا چار کروڑ مسلمان ہندوستان میں رہ جائیں گے۔ چھ کروڑ دو طرف تقسیم ہوں گے اور درمیان میں تیس کروڑ کی آبادی کا ملک ہندوستان ہوگا۔ تقریر اس قدر مدلل اور موثر تھی کہ سناٹا چھا گیا۔ بخیر و عافیت جلسہ اختتام کو پہنچا یہاں سنگووال سے واپسی پر "مہت پور" کار پر پتھراؤ ہوا کہ وہ اسد اللہ خاں کا قصبہ تھا----

دو تقریریں خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں سُنیں۔ اور وہ بھی اسی زمانے کی تھیں اور اس میں بھی باوجود احتیاط کے سیاسی مسائل آگئے ایک تقریر میں و ما اصابکم من مصيبة فبما كسبت ايد يكم- کی آیت کریمہ پڑھی۔ تین ساڑھے تین گھنٹے تشریح کی علوم و معارف کا ایک سمندر تھا جو اس آیت کی تشریح کے ضمن میں بیان ہوا۔ اور خیر المدارس کے جلسہ میں حضرت شاہ صاحب نے "چکدش" والی نعت سُنائی تھی اور نعت میرا خیال ہے کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی موجودگی میں سُنائی تھی۔ یہ نعت شاہ صاحب کے کلام "سواطع الالہام" اور اب "ماہنامہ الرشید" کے تاریخی "نعت نمبر" میں شائع ہوئی ہے جس کا مطلع ہے:

ہزار صبحِ بہار از نگاہ می چکدش
جنوں زسایہ زلفِ سیاہ می چکدش

خیر المدارس کے سالانہ جلسے اسی طرح اپنے زمانے میں معروف تھے جس طرح کبھی "انجمن حمایت اسلام" کے لاہور میں ہوتے تھے۔ عموماً جمعہ کے بعد تقریر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی ہوتی اور تیسرے دن آخری تقریر رات کو عشاء کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی۔ ملتان میں ابتدائی سالوں میں خیر المدراس کے جلسے اسی دُھوم دھام سے ہوتے لیکن ان سب جلسوں کی رونق حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اور ان اکابر کی وجہ سے ہوتی تھی۔ اب مدارس میں جلسوں کا رواج تو ہے لیکن رسم نبھانے والی بات ہے وہ رونق تو کیا اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا----

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کے ایک شاگرد حضرت فاضل رشیدی رحمہ اللہ نے ساہیوال میں سالانہ جلسہ کی طرح ڈالی اس جلسہ میں بھی ملک کے تمام بڑے علما تشریف فرما ہوتے---- شروع کے سالوں میں پہلی تقریر جمعہ کے بعد صاحبزادہ فیض الحسن صاحب کی ہوتی اور آخری شاہ صاحب کی۔ خیر المدراس کے جلسے عام خاص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باغ میں اور جامعہ رشیدیہ کے کمیٹی باغ میں میں ہوتے اور حاضری دیدنی ہوتی---- بعد میں دونوں جلسے مدرسہ کے احاطہ میں ہونے لگے۔

میں نے اور میرے بڑے بھائی حکیم حافظ محمد اسلم نے اپنے گاؤں ہرلی پور میں پہلا جلسہ کرایا۔ قیام پاکستان کے بعد مئی ۱۹۵۰ء کے پہلے ہفتے میں میاں چنوں مجلسِ احرارِ اسلام کی کانفرنس کرائی۔ ملتان کا ڈپٹی کمشنر مرزائی تھا میاں چنوں میں کوئی جلسہ کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار نہ تھا۔ میری عمر تھوڑی تھی لہذا ناظم اعلیٰ مجلسِ احرارِ اسلام میاں چنوں کے نام سے دو دن کا جلسہ کرایا، اپنا نام نہ لکھا کہ جگ ہنسائی نہ ہو کہ مجلسِ احرارِ اسلام کو میاں چنوں میں ناظم اعلیٰ ایک لڑکا ملا حالانکہ بڑی عمر کے لوگ موجود تھے۔ ماسٹر تاج الدین صاحب، قاضی احسان احمد صاحب، جانباز مرزا، مولانا محمد علی جالندھری اور امیر شریعت رحمہم اللہ تشریف لائے---- اس جلسہ کا سارا اہتمام میں نے کیا۔

میاں چنوں کے ساتھ ایک چک نمبر ۱۳۰ تھا (اب وہ میونسپلٹی میں آگیا ہے) اس میں ایک مستری صاحب بنام محمد دین رہتے تھے شہر میں لکڑی کا اچھا کاروبار تھا۔ وہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مرید تھے ۵۰-۵۱ میں انہوں نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کو بیس ہزار روپیہ پیش کیا کہ آپ اپنا ملتان میں مکان بنوا لیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا میاں صاحب آپ کی بچیاں ہیں ان کا نکاح کرنا ہے یہ روپیہ ان کے لئے محفوظ رکھیں۔ البتہ لاہور ساہی وال (اس وقت منٹگری) آتے جاتے ان کی دکان پر گھنٹہ دو گھنٹہ کے لئے تشریف لاتے بشرطیکہ کار پر لاہور ساہی وال جانا ہوتا۔ ایک دفعہ ۵۷-۱۹۵۶ء میں دس بارہ دن ان کے گاؤں میں ان کے گھر قیام فرمایا ان دنوں مکتبہ رشیدیہ کے نام سے میں میاں چنوں میں دکان کرتا تھا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ تیس چک سے پیدل یا تانگہ پر سیدھے مکتبہ رشیدیہ تشریف لے آتے اور باہر بنچ پر یا دکان کے پچھلے کمرے میں چارپائی پر تشریف رکھتے اور لوگ زیارت کے لئے آتے۔ انہیں دنوں ربیع الاول تھا ہائی سکول میں آسی صاحب (ہیڈ ماسٹر) نے جلسہ رکھا اور کوشش کی کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ تشریف لائیں لیکن آپ نہ مانے پھر ایک استاد حاضر ہوئے اور عرض کیا تشریف لے چلیں آپ نے انکار فرمایا انہوں نے کہا حضرت پیچھے شاید آسی صاحب بھی آتے ہوں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فوراً فرمایا کہ اس کے پیچھے تھانیدار صاحب بھی آتے ہوں گے---- اسی سفر کی بات ہے چک نمبر ۱۳۰ کی مسجد میں تقریر پر ضرور آمادہ ہوگئے۔ مسجد بھر گئی صحن میں جلسہ تھا۔ ایک نوجوان مشہور نظم پڑھ رہا تھا۔

دلا غافل نہ ہو یکدم یہ دنیا چھوڑ جانا ہے

میں اندر گیا تو دیکھا حضرت شاہ صاحب سر جھکائے رو رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے اور مختصر تقریر فرمائی جو پند و نصیحت اور ختم نبوت کے متعلق تھی۔ ایک دن مکتبہ میں تشریف رکھتے تھے کہ رازی پاکستانی کے چھوٹے چھوٹے بھائی آصفی نے کیمرہ سے تصویر بنانا چاہی لیکن رعب کے مارے ہاتھ کانپ گیا اور تصویر نہ بنا سکا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور شاہ صاحب کے بتائے ہوئے وظیفہ سے مستری محمد دین کے کئی لڑکیوں کے بعد لڑکا پیدا ہوا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ آج کل امریکہ میں ہے اور بہت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اچھا کاروبار ہے----

میاں چنوں سے آگے کسووال کے تین چار میل اِدھر ایک چک میں میاں محمد شفیع رہتے تھے وہ شاہ صاحب کے عاشق تھے اور تقریباً ہر سال شاہ صاحب وہاں جلسہ پر تشریف لے جاتے اور مرزائیت و ختم نبوت کے متعلق تقریر کرتے۔

میں ملتان خیر المدارس میں دو دفعہ داخل ہوا ایک دفعہ ۱۹۴۸ء میں اور دوسری دفعہ ۱۹۵۳ء میں اکثر جمعہ مسجد "سراجاں" بازار حسین آگاہی میں پڑھتا جہاں مولانا محمد علی جالندھری تقریر کیا کرتے تھے، اور اس کے بعد حضرت شاہ صاحب کو سلام کرنے حاضر ہوتا---- ایک دفعہ حاضری ہوئی تو مرتضیٰ احمد میکش، ملک نور الٰہی مالک اخبار "احسان" اور ابو سعید بزمی بیٹھے تھے گفتگو ہو رہی تھی یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ شاہ صاحب اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ سچ کہتے تھے (یہ ابتدائی سالوں کی بات ہے) شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک سائنس دان نے کہا کہ زمین گول ہے اور اس کو اس پر زہر کا پیالہ پینا پڑا لیکن اب سب لوگ کہتے ہیں کہ زمین گول ہے اس کے بعد مختلف باتیں سنجیدہ سی ہوتی رہیں پھر یہ لوگ جانے لگے شاہ صاحب نے پوچھا کہ اب کدھر کا ارادہ ہے میکش نے کہا کہ (ایک مولوی صاحب کا نام لے کر) فلاں طرف۔ آپ نے فرمایا میں تو سمجھتا تھا کہ اس شہر میں ہی آپ کا شناسا ہوں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اور بھی ہیں یہ صاحب مولوی نواب دین مرحوم کے لڑکے مولوی غلام ربانی تھے۔ جب یہ لوگ جانے کے لئے کھڑے ہوئے تو شاہ صاحب نے شعر پڑھا۔

وہ آئے تو آئے نشیب و فراز دیکھ کر
اور جب چل دیئے تو بہر حال چلائے

اس پر وہ لوگ پھر بیٹھ گئے اور شعر و شاعری کی مجلس جم گئی۔

ایک دفعہ میں، رازی پاکستانی، آصفی پاکستانی حاضر ہوئے حضرت شاہ صاحب نے نفیس چائے پلائی۔ میں نے عرض کیا یہ لوگ تو لسی کے عادی ہیں فرمایا یہ تو تیری حسن طلب معلوم ہوتی ہے۔ آصفی سے نام پوچھا تو اس نے کہا کہ آصفی۔ فرمایا رازی کے وزن پر تو نازی چاہیے تھا---- پھر آصفی سے سلطنت آصفیہ دکن کی طرف ذہن منتقل ہو گیا اور آپ نے سورۃ ہمزہ لحن کے ساتھ تلاوت فرمائی اور جمع مالا وعدده يحسب ان ماله اخلده۔ اور ان سے اگلی آیات پر زور دے کر پڑھا اور فرمایا کہ آصفی سے تو ذہن اِدھر ہی منتقل ہوتا ہے آصفی نے آٹو گراف کے لئے کاپی پیش کی تو اس پر شعر لکھا:

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول
پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے

یہی وقت رازی صاحب کو فرصت کا ملا اور انہوں نے جھٹ آپ کی تصویر لے لی آپ نے فرمایا کہ شرارت سے باز نہیں آئے یہی وہ تصویر ہے جو آغا شورش مرحوم نے آپ کی سوانح کے پہلے ایڈیشن کے شروع میں لگائی تھی کہ شاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب کچھ لکھ رہے ہیں بہت خوبصورت پوز ہے

۱۹۵۲ء میں لیاقت علی کی شہادت ہو چکی تھی اور احرار دفاع کانفرنسیں کر رہے تھے۔ اوکاڑا میں دفاعِ پاکستان کانفرنس تھی میں ان دنوں جامعہ رشیدیہ میں مشکوٰۃ شریف پڑھ رہا تھا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸۵ء) نے ازراہ کرم مجھے کتب خانہ میں سونے کی اجازت دی ہوئی تھی--- ایک رات تقریباً ایک بجے کا عمل ہو گا میں جاگ رہا تھا کہ میرے کانوں میں آواز آئی مولوی عبداللہ، مولوی حبیب اللہ، میں چونکا کہ یہ تو شاہ صاحب کی آواز ہے۔ غلہ منڈی کی طرف گیٹ سے آواز آ رہی تھی میں دوڑ کر گیا اور دروازہ کھولا تو شاہ صاحب کے ساتھ مختصر سامان ٹوکری وغیرہ تھی، وہیں کتب خانہ میں لے آیا، ان دنوں محمودیہ ہائی سکول والی جگہ میں جامعہ رشیدیہ تھا تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں یہ جگہ ضبط کر لی گئی۔ میں نے عرض کیا میرے پاس سوجی گھی وغیرہ ہے حلوہ بنا لیتا ہوں آپ نے فرمایا کہ یہ جمعہ کی شب ہے جامعہ میں گوشت پکا ہو گا بوٹیاں وغیرہ تو نہیں ہوں گی دیگچہ میں بچا ہوا شوربہ پڑا ہو گا اور روٹیاں بھی ہوں گی وہ لاؤ----- میں اٹھا لایا اس کو گرم کیا اور دو تین روٹیاں اس میں ثرید بنا کر کھائیں اور کہا کہ لطف آ گیا ایسا مزا حلوے میں کہاں ہوتا--- صبح کو شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب، حضرت ناظم صاحب، حضرت مفتی صاحب، رحمہم اللہ اجمعین اور مولانا مقبول احمد سبھی فجر کی نماز کے بعد حضرت شاہ صاحب کے پاس آ گئے اور بڑی علمی مجلس ہوئی میں چائے بنا رہا تھا۔ شاہ صاحب چائے دانی۔ عمدہ چائے۔ پان اور لوازمات ساتھ رکھنے کے عادی تھے۔ میں نے پتی چائے دانی میں ڈال کر ابلتا ہوا پانی اوپر ڈالا۔ دل و دماغ تو باتوں کی طرف تھے صرف ہاتھ کام کر رہے تھے شاہ صاحب گفتگو بھی فرما رہے تھے اور مجھے چائے بناتے بھی دیکھ رہے تھے پانی زیادہ پڑ گیا اور کیتلی سے باہر آ گیا شاہ صاحب نے فوراً فرمایا واکثرھم لا یعقلون۔

حضرت شاہ صاحب ۱۹۵۰ء سے مجھ سے متعارف تھے کہ جلسوں کا شوقین ہے مجھ سے پوچھا کہ جلسے میں چلو گے میں نے کہا ضرور لیکن حضرت مولانا سے اجازت لینا ہے شاہ صاحب نے میری سفارش کی تو حضرت مولانا نے شفقت سے ہنستے ہوئے فرمایا کہ آپ سفارش کریں یا نہ کریں میں اجازت دوں یا نہ دوں یہ تو ضرور جلسہ میں جائے گا۔ دل تو شاہ صاحب کے خادم کی حیثیت سے جانے کو چاہ رہا تھا لیکن میرے کپڑے دھلنے گئے ہوئے تھے لہذا عرض کیا کہ شام کو حاضر ہوں گا---- اوکاڑہ میں پہلی نشست کی صدارت ڈپٹی کمشنر منٹگمری (ساہیوال) نے کی اور احرار رضا کاروں نے سلامی دی۔ پورے صوبہ سے رضا کار سینکڑوں کی تعداد میں آئے ہوئے تھے، اور ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بھی تھا ہفتہ کے دن ہائی سکول میں میٹنگ ہو رہی تھی۔ میرا دل چاہا کہ دیکھوں کہ میٹنگ میں کون کون شریک ہیں اور کس طرح کی بحث ہوتی ہے۔ لیکن باہر گیٹ پر پہریدار تلواریں تانے کھڑے تھے۔ میں ادھر سے ادھر گذر جاتا ایک دفعہ دیکھا شاہ صاحب صحن میں ٹہل رہے ہیں میں دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا شاہ صاحب کی نظر پڑی اور آواز دی۔ رضا کاروں نے تلواریں نیچی کر لیں اور میں اندر چلا گیا۔ میٹنگ میں سبھی لیڈر شریک تھے مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ اتنی بڑی میٹنگ کو ہوتے دیکھا عصر کی نماز کے بعد ویسے ہی ایک مجلس ہوئی جس میں خاص خاص احباب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریک تھے چودھری افضل حق رحمہ اللہ کے بھتیجے چودھری ظہور الحق بھی موجود تھے۔ میں بھی جا کر بیٹھ گیا۔ لیاقت علی کے قتل کا حادثہ ہو چکا تھا حضرت شاہ صاحب نے اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے شعر پڑھا۔

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خونِ دل
بے دست و پا کو دیدہ بینا نہ چاہیے

رات کو اے ڈی ایم ساہی وال کی صدارت اور حضرت شاہ صاحب کی تقریر تھی۔ اے ڈی ایم کو میں پہلے سے جانتا تھا کہ اچھا مقرر ہے۔ اس نے شروع میں تقریر کی اور کہا کہ قدرت کے کام ہیں کہ آج مجھے ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا ہے کہ میں احرار کا شکریہ ادا کروں کہ انھوں نے دفاع کانفرنسیں کر کے ملک کو بیدار کیا اور خون کو گرمایا لیکن تقسیم سے قبل میں فاضلکا میں تحصیل دار تھا اور وہاں شاہ صاحب کی تقریر تھی ڈی سی فیروز پور نے مجھے حکم دیا ہوا تھا کہ تمہارے شہر میں ایسا مقرر آ رہا ہے کہ اس کی تقریر میں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اگر وہ لوگوں کو کہے کہ دریا میں چھلانگیں لگا دو تو وہ اس پر عمل کریں گے اور اگر کہے کہ آگ میں کود جاؤ تو لوگ اس پر عمل کریں گے۔ جب تقریر اس نقطہ پر پہنچے تو تم نے تحریر بھیجنی ہے کہ تقریر ختم کر دو، اگر ختم نہ کریں تو گرفتار ی کرنا ہے۔ ڈپٹی کمشنر انگریز تھا میں حیران تھا کہ اس کی معلومات کس قدر ہیں بہر حال میں جلسہ گاہ میں گیا اور تقریر جب شباب پر پہنچی تو واقعی ایسا وقت آیا کہ میرے ضمیر اور نفس میں کشمکش شروع ہو گئی۔ ضمیر کہتا تھا کہ تقریر جاری رہنا چاہیے کہ ملک اور قوم کے مفاد میں ہے لیکن نفس کہتا تھا کہ اپنے حاکم کا حکم مانو ورنہ ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے کئی منٹ یہ کشمکش رہی بالآخر نفس غالب آیا کہ تو نے ترقی کر کے نجانے کہاں تک جانا ہے اپنے افسر کی بات مانو میں نے رقعہ بھیجا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا حکم ہے کہ تقریر بند کر دیں اور جلسہ ختم کر دیں شاہ صاحب نے کہا پندرہ منٹ اور--- میں نے کہا کہ نہیں احرار کا فیصلہ تھا کہ حکومت سے ٹکرانے کا ابھی موقعہ نہیں ہے لہذا شاہ صاحب نے تقریر ختم کر دی اور آج ڈپٹی کمشنر کا حکم ہے کہ شکریہ ادا کروں اس طرح قریباً آدھ گھنٹہ باتیں کر کے اے ڈی ایم بیٹھ گیا اور شاہ صاحب نے تقریر شروع کر دی۔ میرا خیال ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی یہ تقریر پاکستان میں سُنی جانے والی تقریروں میں میرے لیے سب سے اہم تھی کہ اس میں خطابت کا وہ تمام شکوہ اور انداز موجود تھا کہ جس کی ہر کوئی تعریف کرتا تھا۔ اس تقریر میں زیادہ حصہ مرزائیت، ظفر اللہ اور لیاقت علی کا قتل تھا آپ نے فرمایا کہ عدالت کی کرسی ہو اور فیصلہ میں نے کرنا ہو تو پھر میں تفصیل سے وہ تمام باتیں مدلل لکھ کر ثابت کروں کہ اس قتل میں اصل ہاتھ ظفر اللہ کا ہے۔ اس لئے کہ احرار کی کوششوں سے وزیر اعظم لیاقت علی خاں پر مرزائیوں کے تمام منصوبے اور عزائم منکشف ہو چکے تھے۔[1] آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ مرزائی وزیرِ خارجہ آج تک

۱- احرار کا سب سے پہلا رابطہ مسلم لیگ سے جو ہوا وہ میاں چنوں مسلم لیگ کے دفتر میں ہوا کہ میر خلیل الرحمان سیکرٹری پاکستان مسلم لیگ کی زمین میاں چنوں کے قریب تھی قاضی احسان احمد صاحب خلیل الرحمان سے ملے دونوں کی تخلیہ میں بات چیت ہوئی اس کے بعد خواجہ ناظم الدین اور وزیر اعظم لیاقت علی خاں مرحوم سے مفصل ملاقاتیں ہوئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افغانستان کیوں نہیں گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومتِ افغانستان نے دو مرزائی مبلغوں کو ختم نبوت کے انکار پر شرعی سزا دی تھی ہمارا وزیرِ خارجہ افغانستان کو اس کی سزا دے رہا ہے، اور پاکستان اور افغانستان جو آپس میں بھائی ہیں ان کو اس نے ایک دوسرے کے مدِ مقابل کھڑا کر دیا ہے، اور فرمایا کہ افغانستان کے لوگ پاکستان کے خلاف اس طرح مشتعل ہیں گویا ہماری ان سے کفر و اسلام کی جنگ ہے اور یہاں شاہ صاحب نے سر سے ٹوپی اُتاری، بالوں کو جھٹکا دیا اور ڈاڑھی کو منہ میں لیا اور کلہاڑی کو کندھے پر رکھا اور فرمایا کہ اس مرزائی کی وجہ سے افغانستان کے لوگ ہمارے خلاف اس طرح مشتعل بیٹھے ہیں اور یہاں پھر وہی شعر پڑھا جو شام کی مجلس میں پڑھا تھا اُس وقت تو عام لہجہ میں تھا مگر اب یہ شعر پورے درد و سوز اور ترنم سے پڑھا۔ مجمع کی یہ حالت تھی کہ اگر سوئی گرے تو اس کی آواز آئے۔ ہر شخص اس المیہ کا درد اپنے جسم میں محسوس کر رہا تھا۔

سردیوں کا آغاز تھا اور اس دن بارش بھی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود فٹ بال گراؤنڈ لوگوں سے بھری ہوئی تھی حضرت شاہ صاحب کی یہ تقریر تقریباً تین گھنٹہ جاری رہی----

آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد قرآنِ پاک کی آیت کریمہ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدواللہ وعدوکم و آخرین من دونہم۔ پڑھ کر اس کا ترجمہ اور تشریح کی و اعدوالھم ما ستطعتم من قوۃ کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کے مقابلے میں اپنی پوری قوت جمع کرو اپنی طاقت کی حد تک۔ جبکہ کسی اور فرض اور رکن کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ پوری قوت خرچ کرو لیکن جہاد کے متعلق یہ فرمایا ترھبون بہ کے متعلق کہا کہ اس کا معنی ہے کہ "اوہناں نوں یرکا دیو" "اوہ یرک جان۔" پھر فرمایا میں کہ آپ کو بتاؤں کہ "یرکنے" کا مفہوم کیا ہے اور سوال کیا کہ کیا تم نے کبھی دو سانڈوں کو لڑتے دیکھا ہے فرمایا کہ دونوں خوب زور آزمائی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو پیچھے ہٹ ہٹ کر ٹکریں مارتے ہیں بالاخر ایک میدان چھوڑ دیتا اور بھاگنا شروع کرتا ہے دوسرا اُس کا تعاقب کرتا ہے بھاگنے والے کو "موک" (اسہال) لگ جاتی ہے اور وہ ہرا ہرا پتلا گوبر نکالتا، مسلم لیگ کا جھنڈا بناتا ہوا سرپٹ بھاگتا ہے (یہ بات شاہ صاحب نے ازراہِ تفنن کہی) اسے کہتے ہیں "یرکنا" فرمایا ترھبون بہ کا ترجمہ اُردو میں یہ ہے کہ اتنی تیاری کرو کہ اللہ کے دشمنوں پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے اس دھاک بیٹھنے کو پنجابی میں فرمایا "یرکا دیو" اس کے بعد ہے وآخرین من دونہم لاتعلمونہم اللہ یعلمہم۔ اور دوسروں پر ان کے سوا۔ جن کو تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے۔ فرمایا کہ یہ ہمارے ملک کے ففتھ کالم ہیں اور سب سے بڑے ففتھ کالم مرزائی ہیں---- جن لوگوں نے اوکاڑہ کی یہ تقریر سُنی ہے ان میں سے بہت سے زندہ ہوں گے وہ گواہی دیں گے کہ اس تقریر میں شاہ صاحب کی جوانی کی جھلک نظر آتی تھی۔ افسوس کہ شاہ صاحب کے زمانے میں ٹیپ ریکارڈر نہیں تھے اگر ہوتے تو آج لوگوں کو پتہ چلتا کہ خطابت کس کو کہتے ہیں اور شاہ صاحب کیسے خطیب تھے آخر کوئی بات تو ہے کہ ابوالکلام آزاد، محمد علی جوہر، بہادر یار جنگ، جیسے یگانہ روزگار خطیبوں نے آپ کی خطابت کا اعتراف کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج بہت سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ بتاؤ شاہ صاحب کی تقریر کیسی تھی ان کو کیا بتایا جائے اور کیا مثال دی جائے---- میرا احساس ہے کہ دعوت و عزیمت میں ابوالکلام، قومی شاعری میں علامہ اقبال اور عوامی خطابت میں امیرِ شریعت رحمہ اللہ کی مثال شاید اُردو زبان میں کبھی پیدا ہو۔ جیسا شاہ صاحب خطیب تھے اس کے دس پندرہ فیصد کے قریب بھی کسی کو نہیں دیکھا۔

میں نے اپنے استاد حضرت مولانا عبداللہ دھرمکوٹی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ شاہ صاحب کی جوانی کیسی تھی آپ نے مختصر سا فقرہ کہا فرمایا شاہ صاحب کی جوانی قہر تھی۔ (آپ کا فقرہ تھا "جوانی سی؟ قہر سی!") پنجابی زبان کے مشہور واعظ حضرت مولانا عبدالعزیز لسیانوی سے میں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ابتداً میں قصبات میں بجلی نہیں ہوتی تھی گیس لیمپ ہوتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب دورانِ تقریر جب سر سے ٹوپی اُتار کر سر کو جنبش دیتے تھے تو آپ کے بالوں کی حرکت کے ساتھ لوگوں کے دل حرکت کرتے تھے

گذشتہ سطور میں رازی صاحب، آصفی صاحب کی شاہ صاحب سے ملاقات کا ذکر گذرا اس میں ہم میں سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت سُنا ہے آپ کی تقریر مسعود کھدر پوش نے ریکارڈ کی تھی آپ نے فرمایا کہ ہاں میرے علم کے بغیر ایسا ہوا تھا---- اس کی کچھ تفصیل سُنائی یہ مفصل قصہ مولانا مجاہد الحسینی کی زبانی میں نے سُنا تھا---- مظفر گڑھ میں ایسی ہی کوئی دفاع کانفرنس تھی اور مسعود کھدر پوش بحیثیت ڈی سی صدر تھے۔ مسعود مرحوم کسی غیر ملک سے اس زمانے کی ٹیپ ریکارڈر لائے تھے یہ ٹیپ مشین خاصی بڑی ہوتی تھی اور اس کا مائیک لاؤڈ سپیکر کے ساتھ باندھنا پڑھتا تھا اس کی چرخی بھی (کیسٹ) خاصی بڑی ہوتی تھی شاہ صاحب کے سٹیج پر تشریف لانے سے قبل مائیک کے ساتھ ٹیپ ریکارڈ کا مائیک باندھ دیا گیا تھا۔ شاہ صاحب آئے تو پوچھا کہ یہ کیا ہے بتایا گیا کہ آپ کی تقریر ریکارڈ کریں گے شاہ صاحب سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم میری تقریر کے ریکارڈ تیار کرکے "دینے قوال" کی طرح سُنا اور سُنایا کرو گے۔ (دینا قوال اپنے زمانے کا بہت بڑا قوال تھا اور اس کی نظیر آج تک نہیں ہوئی) اسے اُتارو۔ قیل وقال کا کوئی سوال نہ تھا فوراً وہ مائیک اُتار لیا گیا اور شاہ صاحب کچھ دیر خاموش سوچتے رہے اور منتظمین نے ٹیپ کا مائیک ایک سپیکر کے ساتھ رکھ دیا اور ساری مشین بھی اُٹھا کر وہاں رکھ دی۔ شاہ صاحب کو اس کا علم نہ ہوا آپ نے اپنے مخصوص انداز میں خطبہ مسنونہ پڑھا اور تقریر کی---- اگلے دن یہ طے ہوا کہ شاہ صاحب کو یہ تقریر سُنائی جائے نوابزادہ نصر اللہ صاحب نے کہا کہ شاہ صاحب ذرا سیر کر آئیں--- کار پر باہر نکلے تو ایک بڑی کوٹھی کے سامنے کار جارکی اور وہاں مسعود مرحوم استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم نے بہت بُرا کیا میں ساری زندگی کسی افسر کے مکان پر نہیں گیا لیکن مسعود صاحب سے پرانی شناسائی بھی تھی انہوں نے بڑھ کر سلام کیا۔ شاہ صاحب کار سے اُترے اور اندر ڈرائینگ روم میں جا بیٹھے۔ انہوں نے پہلے سے رات والی تقریر کا گھر میں سُنانے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ بیٹھے ہی تھے کہ اچانک ایک جانب سے لحن داؤدی میں الحمد للہ کی بلند آواز آئی۔ حضرت شاہ صاحب الحمد للہ کہہ کر کچھ دیر کے لئے خاموش رہ کر پھر دوسری دفعہ الحمدللہ کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نحمدہ پڑھنا شروع کرتے تھے۔ کاش صرف "الحمدللہ" ہی (ریکاڈ) محفوظ ہو جاتا تو اس سے خطاب اور تلاوت کا اندازہ ہوتا۔ اب جب یہ آواز آئی تو آپ ایک دم متوجہ ہوئے معلوم ہونے پر آواز کی جانب جا کر پاؤں پر بیٹھ کر دونوں ہتھلیاں رخساروں پر رکھ لیں اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور فرمایا کہ کلکتہ سے پشاور تک کروڑوں انسانوں نے میری بارہا تقریریں سُنی ہیں لیکن میں آج پہلی دفعہ اپنی آواز سن رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ سُن کر خوشگوار حیرت ہوئی ہوگی اور کہا کہ میں نے محسوس کیا کچھ تھوڑا بہت بول لیتا ہوں۔

جب شاہ صاحب سے ہماری یہ گفتگو ہو رہی تھی اب مجھے یاد نہیں مولانا سید عطاء المحیمن پاس بیٹھے تھے یا سید عطاء المومن، کم عمر تھے انہوں نے تبصرہ کیا کہ آج کل اکثر و بیشتر مقرر حضرات کی تقریر اگر ان کو سُنائی جائے تو وہ گالی دے کر پوچھیں گے کہ یہ کون بکواس کر رہا ہے۔

اس کے بعد ایک دفعہ لاہور میں قطب الارشاد حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے تھے ان دنوں مسعود مرحوم لاہور تھے پھر پروگرام بنا کہ آج شاہ صاحب کی مجلسی گفتگو ریکارڈ کی جائے چنانچہ طے ہوا کہ صبح کا ناشتہ ان کے ساتھ کیا جائے۔ باہر نکلے کار پر بیٹھے لیکن تھوڑی دُور جا کر فرمانے لگے کہ طبیعت رک رہی ہے جی نہیں چاہتا کہ اپنے شیخ کے پاس سے اُٹھ کر کسی افسر یا دنیادار کے پاس جایا جائے۔ کار واپس کرو اور واپس تشریف لے آئے اور وہ تقریر جو مظفر گڑھ میں ریکارڈ ہوئی تھی کسی خال خال شخص کو اس کا پتہ تھا۔ میں نے ایک دو دفعہ لاہور آنے پر مسعود مرحوم سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس بہت سی ریلیں ہیں کسی دن تلاش کروں گا۔ پھر پتہ کیا تو فرمانے لگے کہ وہ گرمی سے جڑ گئی ہیں۔ میں ۱۹۷۸ء میں انگلستان گیا تو وہاں بہت سے دوستوں نے کہا کہ وہ ریل ان سے لو اب تو ٹیکنالوجی نے بہت ترقی کر لی ہے اس کو کسی صورت درست کر لیں گے اور ۸۳ء میں تو بہت اصرار سے دوستوں نے توجہ دلائی لیکن اسی دوران میں مسعود مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ ع

آں قدح بشکست و ساقی نماند

اللہ کو منظور نہیں تھا کہ امیرِ شریعت رحمہ اللہ کی تقریر عام ہو اس طرح آج کل کے خطبا کا بھرم رہ گیا ورنہ کوئی کسی کو نہ پوچھتا۔ کس نے پرسد کہ بھیا کیستی"

جیسا کہ معلوم ہوا میری حضرت شاہ صاحب سے قدرے بے تکلفی تھی میں نے ایک دن شاہ صاحب سے پوچھا کہ حضرت کبھی آپ نے ایسا بھی محسوس کیا کہ آپ تقریر کرنے میں بے بس ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں دو دفعہ ایسی صورت حال پیش آئی ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ الہ آباد میں جواہر لال نہرو کے والد موتی لال نہرو کی صدارت میں جلسہ تھا اور سائمن کمیشن آیا ہوا تھا کانگرس نے اس کا بائیکاٹ کیا تھا اور اسی سلسلے کا جلسہ تھا۔ موتی لال کی تقریر پہلے تھی۔ خالص سیاسی مسئلہ تھا۔ سامعین میں ہندو زیادہ تھے موتی لال نے اس قدر مدلل اور مسکت تقریر کی کہ میں سوچ رہا تھا کہ اس کے بعد میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ حیران تھا اور سر جھکائے بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ لوگ کہیں گے مولوی کو دو تین تقریریں یاد تھیں وہ یہاں کر گیا اب کچھ پاس نہیں ہے کہ موتی لال نہرو نے یہ کہہ کر تقریر ختم کی کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب میں آپ کے محبوب مقرر کے درمیان زیادہ دیر حائل نہیں رہنا چاہتا۔ اس پر میں نے سر اُٹھایا دیکھا تو پنڈال کے آخری سرے پر کچھ رضا کاروں (والنیٹروں) نے سائمن کمیشن کی ارتھی (جنازہ) اُٹھائی ہوئی ہے اور وہاں رکھ کر اس کو آگے اٹھانا تھا، جونہی میری اس پر نظر پڑی مجھے یہ شعر یاد آگیا

ہوئے مَر کے ہم جو رُسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

بس میں نے بلند آواز سے یہ شعر پڑھا تو موتی لال نہرو نے اپنے زانوؤں پر دوہتڑ مارا اور کہا کہ شاہ صاحب آپ نے میری ساری تقریر کا بیڑا غرق کر دیا (یا ستیاناس کر دیا) بس پھر اللہ دے اور بندہ لے۔ موضوع یکسر پلٹ گیا تھا میں نے تین چار گھنٹہ تقریر کی۔

اور ایک واقعہ آگرہ کا ہے کہ بہت بڑا جلسہ تھا پنڈال کے درمیان سٹیج تک جانے کا راستہ بنا ہوا تھا میں وہاں سے گزر کر سٹیج کی جانب جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ لوگوں کے چہرے پڑھتا جا رہا تھا یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ لوگوں کے چہروں سے موضوع کا انتخاب کرتا ہوں اور چہروں کو دیکھ کر بھانپ لیتا ہوں کہ کیا صورتِ حال ہے ہر سو پچاس آدمیوں میں سے ایک کے پاس اخبار تھا میں دیکھتا سوچتا آگے بڑھتا رہا اور سٹیج پر پہنچ گیا۔ وہاں میز پر انقلاب اخبار کی ایک کاپی پڑی تھی جس میں میرے متعلق ایک بے سروپا بات لکھی ہوئی تھی کہ اس نے فلاں جگہ یہ تقریر کی (کہ گاندھی کا پیشاب کوثر و زمزم کے پانی سے پوتر ہے) بات ایسی تھی کہ کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا میں یہ اخبار پڑھ کر سوچنے لگا کہ میں پہل کروں یا مجمع پہل کرے کہ اتنے میں پنڈال کے آخر میں سے ایک شخص نے مجھے گالی دے کر کہا کہ اس کی ڈاڑھی پکڑو اور سٹیج سے اُتار دو میرے مُنہ سے بے اختیار نکلا۔ "شرابی ہے بکواس کرتا ہے۔" لوگوں نے اس کا مُنہ سونگھا تو شراب کی بُو آرہی تھی بس پھر کیا تھا اس کی پٹائی ہوئی اور امیر شریعت زندہ باد کے نعرے لگے اور میں نے گھنٹوں تقریر کی---- قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ شاہ صاحب اپنے متعلق اس قسم کی باتیں کرنے یا سُنانے کے عادی نہ تھے اور نہ ہی کبھی بعد از تقریر کسی سے پوچھتے کہ سُناؤ کیسی تقریر رہی اور نہ ہی کسی کو یہ جرأت ہوتی تھی کہ تقریر کی تعریف کرے جیسا آج کل کا معمول ہو چلا ہے---- یہ تو میری بے تکلفی یا یوں کہیے کہ اس طرح کی باتوں میں دلچسپی دیکھ کر بات سُنا دی---- میرا خیال ہے کہ یہ دونوں واقعات یا پہلا واقعہ آغا شورش مرحوم کی کتاب میں بھی موجود ہے۔

اسی طرح میں نے ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت کوئی بزرگ یا رہنما ایسے بھی تھے کہ جہاں آپ اپنے آپ کو محسوس کرتے ہوں کہ یہاں بات کرنا مشکل ہے فرمایا وہاں دو جگہیں ایسی تھیں کہ ایک جگہ تو دو تین دفعہ ہی جانا ہوا دوسری جگہ البتہ بارہا گیا بارہا اکٹھے خطاب کیا تاہم ایک رعب اور حجاب رہا میں نے عرض کیا یہ کون حضرات تھے فرمایا ایک حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور دوسرے مولانا ابوالکلام آزاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت تھانوی رحمہ اللہ والا واقعہ میں نے بالتفصیل اپنے استاد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ سے بھی سُنا تھا وہ یہ کہ جب علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا تو احساس ہوا کہ کوئی اور جگہ ہونا چاہیے کہ جہاں جا کر دُعا کرائی جائے ان دنوں قادیاں کانفرنس والی تقریر پر مقدمہ چل رہا تھا اور سنگین نوعیت کی دفعات کے تحت کیس قائم ہوا تھا شاہ صاحب حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کے پاس جالندھر گئے اور کہا کہ تھانہ بھون جانا ہے انہوں نے کہا کہ ہمارا یہ قاعدہ ہے کہ جانے سے پہلے اطلاع دیتے ہیں اور ویسے بھی میں چند دنوں پہلے حاضری دے کر آیا ہوں۔ شاہ صاحب نے کہا کہ نہیں میرے ساتھ چلیں چنانچہ دونوں حضرات نے تھانہ بھون جانے کا قصد کیا۔ سہارنپور جا کر شاہ صاحب نے پوچھا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کھانے کی کونسی چیز پسند کرتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ سنگترے مرغوب ہیں چنانچہ ایک ٹوکری سنگتروں کی لے لی۔ سہارنپور کے احباب نے رات واپسی پر تقریر کا وعدہ لے لیا اب جب تھانہ بھون جانے والی گاڑی پر بیٹھے تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرا تو دل گھبرا رہا ہے واپس ہو جائیں مولانا نے کہا کہ اتنی دُور سے مجھے لائے ہیں اب چلنا چاہیے۔ تھانہ بھون پہنچے تو حضرت گھر جا چکے تھے مولانا حضرت کو اطلاع دینے گھر گئے اور حضرت سے ملتے ہی فرمایا کہ آیا نہیں لایا گیا ہوں اور ساری روداد اور پھر گاڑی والا قصہ سُنایا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چلیں میں آتا ہوں۔ مولانا اور شاہ صاحب تالاب کے پاس اپنے دھیان کھڑے تھے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تشریف لے آئے اور ساتھ اپنے کمرے میں لے گئے شاہ صاحب دوزانو بیٹھ گئے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شاہ صاحب بے تکلفی سے بیٹھیں اس طرح تادیر بیٹھنا آپ کے لئے مشکل ہوگا کوئی تکلف یا حجاب کی بات نہیں ہے۔ دیکھئے میں ٹوپی پہن کر آیا ہوں پگڑی نہیں، اور پھر آتے ہی چارپائی پر لیٹ گیا ہوں تاکہ بے تکلفی کا ماحول پیدا ہو۔ چند منٹ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں اور پھر شاہ صاحب نے کچھ اشعار سُنائے اور دُعا کی درخواست کی۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے پوچھا کہ آپ کی جماعت کا چندہ کتنا ہے آپ نے کہا کہ ایک روپیہ سالانہ---- حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے غالباً ۲۵ روپے نکال کر دیے اور کہا اتنی مدت کے لیئے تو ممبر سمجھیے اور اس کے بعد زندہ رہا تو پھر سہی اور فرمایا کہ خط و کتابت رکھئے لیکن اس کے لیے اپنا مرموز نام بتایا اور شاہ صاحب کو بھی فرمایا کہ آپ اس نام سے خط لکھا کریں---- فرمایا اپنا اپنا کام کرنے کا انداز ہے ہم دونوں ایک ہی کام کر رہے ہیں---- اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت---- حضرت تھانوی رحمہ اللہ سمجھ گئے اور فرمایا کہ ہاں شاہ جی آپ میرے لئے کیا لائے ہیں شاہ جی نے بتایا تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ تشریف رکھیں میں کسی کو بھیج کر منگواتا ہوں ایک دو دفعہ کے اصرار و انکار کے بعد حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اچھا آپ ہی لائیں۔ میں نے سُنا ہے کہ آپ بہت بڑے خطیب ہیں میں آپ کی چال سے پہچانوں گا۔ اب شاہ صاحب اپنی چال بھول گئے۔ پاؤں رکھتے کہیں ہیں اور پڑتا کہیں ہے بہرحال ٹوکری لائے اور لا کر کھڑے سوچتے ہیں کہ کہاں رکھوں۔ حضرت تھانوی خاموش ہیں آپ نے پائینتی کی جانب رکھدی تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا او ہو شاہ صاحب یہ تو سر پر رکھنے کی چیز تھی---- حضرت مولانا خیر محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے بعد کسی ایک موقعہ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب شاہ صاحب کا ذکر چھڑا تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کی باتیں تو عطاء الٰھی ہوتی ہیں---- یہاں ضمناً ایک بات ذکر کرتا چلوں کہ حضرت شاہ صاحب بزرگوں کا بہت ادب کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی اللہ والے کے پاس جاؤ تو کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور لے کر جاؤ۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق میں نے تفصیل نہیں پوچھی آغا شورش نے "چٹان" میں لکھا تھا کہ ایک دفعہ شاہ صاحب مولانا آزاد کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے تو مولانا باہر کھڑے تھے اور کہیں جانے کی تیاری تھی لیکن کار میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ مولانا جب کسی عجلت میں ہوتے تھے تو ان کے کندھے جنبش کیا کرتے تھے۔ علیک سلیک کے بعد فرمایا کہ میرے بھائی! اس کم بخت کو اسی وقت خراب ہونا تھا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت میرے کندھے حاضر ہیں تو مولانا نے فرمایا کہ میرے بھائی ان پر تو پہلے ہی بہت بوجھ ہے۔

ایک دفعہ کانگریس کی عاملہ کا اجلاس ہو رہا تھا کہ شاہ صاحب مولانا آزاد سے ملنے گئے اندر چٹ بھیجی تو مولانا باہر تشریف لے آئے شاہ صاحب صوفے پر بیٹھے تھے اُٹھ کھڑے ہوئے مصافحہ ہوا اور شاہ صاحب قالین پر بیٹھنے لگے تو مولانا نے ہاتھ پکڑا شاہ صاحب نے ابھی اتنا ہی کہا کہ حضرت---- (یعنی میں قدموں میں بیٹھوں گا) تو مولانا نے فرمایا کہ "میرے بھائی! وہ بات تو ہو گئی۔" بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔

یہ مضمون لکھ رہا تھا کہ میرے تایازاد بھائی کا فون آیا جو مسلم لیگی ہیں اور کٹر مسلم لیگی۔ پوچھا کیا کر رہے ہو میں نے بتایا کہ شاہ صاحب پر مضمون لکھ رہا ہوں تو انہوں نے بتایا کہ میں نے آپ کی دو تقریریں سنی ہیں ایک ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں کسی گاؤں میں اور ایک نکودر، جب وہ نکودر ہائی سکول میں پڑھتے تھے انہوں نے کہا کہ آپ کا قرآن مجید پڑھنا ایسا تھا کہ ہندو تک مسحور ہو جاتے تھے اور پھر نکودر میں جو تقریر کی اس میں انگریز کے مظالم کا ذکر کیا تو سارا مجمع ہندو مسلم دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔

مضمون طویل ہو گیا لیکن ایک دو باتیں مزید سنیے مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی رحمہ اللہ ناظم جامعہ رشیدیہ کی روایت ہے کہ لاہور میں جمعیتہ علماء ہند کا جلسہ تھا اور احرار رضا کار سرخ وردیاں پہنے جلسہ گاہ میں بطور حفاظت موجود تھے کہ جمعیت کے ایک بزرگ نے (مولانا مفتی محمد نعیم) حضرت مدنی سے فرمایا کہ یہ لوگ سرخ قمیصیں پہنے پھر رہے ہیں۔ لوگ کہیں گے کہ احرار نے جلسہ کروایا۔ جمعیت جلسہ نہیں کر سکتی تھی۔ حضرت ساتھیوں کی رائے کا بہت احترام کرتے تھے فرمایا کہ میں شاہ صاحب کو کہے دیتا ہوں چنانچہ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے شاہ صاحب سے فرمایا کہ رضا کاروں سے کہہ دیں کہ وہ وردی اُتار دیں۔ شاہ صاحب جانتے تھے کہ حضرت سے کسی نے کہا ہے ورنہ آپ از خود ایسی بات نہیں فرما سکتے تاہم ادب ملحوظ رکھتے ہوئے دل پر جبر کرکے رضا کاروں سے کہا کہ وردیاں اُتار دو۔ اس کے بعد جلسہ شروع ہو گیا۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کا خطبۂ صدارت تھا آپ مائیک پر آئے ہی تھے کہ مسلم لیگی نوجوانوں کا ایک جمِ غفیر سٹیج کی طرف بڑھنا شروع ہوا۔ اس پر حضرت شاہ صاحب نے فراستاً مفتی صاحب سے کہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ جلسہ کا انتظام سنبھالئے اب وہ ٹکر ٹکر دیکھ رہے ہیں اور پریشان ہیں۔ تب حضرت شاہ صاحب اٹھے اور حضرت مدنی رحمہ اللہ سے کہا کہ آپ تشریف رکھیں اور خود کھڑے ہو کر گرجدار آواز میں کہا کہ تمام احرار رضا کار اپنے فرائض سرانجام دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ پھر کہا کہ کوئی سپاہی جلسہ کے اِرد گرد نظر نہ آئے تیسری بات یہ کہی کہ جو عنصر شرارتی ہے ان کو میں تنبیہ کرتا ہوں کہ جہاں کھڑا ہے وہاں بیٹھ جائے ورنہ میں اپنے رضا کاروں کو بِزن کا حکم دوں گا۔ کچھ لوگ آگے بڑھتے رہے اور باقی بیٹھ گئے یا سراسیمہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے اب جب کچھ لوگوں کو شاہ صاحب نے کھڑے دیکھا تو احرار رضا کاروں سے کہا کہ اپنی ذمہ داری پوری کریں۔ بس پھر کیا تھا پانچ چار منٹ میں سب لوگوں کی پٹائی ہو گئی۔ فاضل رشیدی فرماتے تھے کہ شرارتی لوگوں کو بھاگنے کا راستہ نہ ملا اور کئی ایک افراد کو موچی دروازے کے ساتھ گندے نالے میں گر پڑنے پر نکالا گیا۔ جن لوگوں کو نکالا گیا ان میں مشہور سیاسی رہنما مولانا عبدالباری بھی تھے۔ حضرت شاہ صاحب اور رئیس احرار مولانا حبیب الرحمان رحمہ اللہ کی وجہ سے احرار رضا کاروں کی ایسی تربیت اور انتظام تھا کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ۱۹۴۰ء سے پہلے جناح صاحب کی ایک تقریر اُن کی درخواست پر احرار رضا کاروں نے اپنی حفاظت میں کرائی جبکہ سر فضل حسین وغیرہ جلسے میں گڑبڑ کرانا چاہتے تھے۔ اسی تنظیم اور مقبولیت کی وجہ تھی کہ سر فضل حسین نے مسجد شہید گنج کا ملبہ احرار پر گرایا۔

حضرت شاہ صاحب مشکل سے مشکل مسئلہ کو عام دیہاتیوں کو، پڑھے لکھے لوگوں کو اس طرح سمجھا دیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ ایک دفعہ معراج پر تقریر کر رہے تھے کہ لمحہ بھر میں سب کچھ کیسے ہو گیا۔ مختلف توجیہات و تشریحات کرتے رہے کہ حضور ﷺ کائنات کی روح تھے جب اس روح نے مرکز کی جانب سفر شروع کیا تو ہر چیز اپنی جگہ رک گئی، تھم گئی--- پھر دیکھا کہ کچھ ان پڑھ دیہاتی لوگ سمجھ نہیں رہے تو فرمایا:

ترے لونگ دا پیا لشکارا تے ہالیاں نے ہل ڈک لئے

(محبوبہ کے لونگ کی چمک پڑی تو ہل چلانے والوں کے ہاتھ ہل چلانے سے رک گئے) اور مسئلہ نظری کی بجائے بدیہی بن گیا اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا۔ کوئی تو بات تھی کہ آغا شورش مرحوم جیسا خطیب اکثر دورانِ تقریر رندھی ہوئی آواز میں آپ کا ذکر کرتا تھا آغا مرحوم لاہور موچی دروازہ ہی میں ایک بہت بڑی اہل حدیث کانفرنس جو خاص پس منظر میں منعقد ہوئی تھی تقریر کر رہے تھے کہ شاہ جی یاد آ گئے بے اختیار پنجابی میں کہا کہ عطا اللہ شاہ بخاری (رحمہ اللہ) کتھے یاد آ گئیوں اج تری بڑی لوڑ سی۔ ترا ایک کالا کوا آج موچی دروازے میں کائیں کائیں کر رہا ہے--- کیا یہ کچھ کم خراجِ عقیدت ہے آخر میں آپ کی ذہانت اور حاضر جوابی کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں روز نامہ "جنگ" راولپنڈی میں ایک عالم حافظ ریاض اشرفی مرحوم کام کیا کرتے تھے۔ میں ان کی زندگی میں جب بھی پنڈی جاتا تو ان سے ضرور ملتا۔ بہت بڑے عالم خطیب تھے میرا خیال ہے کہ اگر وہ خطابت کو ہمہ وقت اختیار کرتے تو شاید حضرت شاہ صاحب کی خطابت کا کچھ اندازہ ہو سکتا۔ انہوں نے ایک دفعہ کہا کہ میں ایک دفعہ غلام احمد پرویز کی تقریر سُننے گیا۔ پرویز صاحب نے بڑا رو رو کر تقریر کی، میں بہت متاثر ہوا اور حضرت شاہ صاحب سے ذکر کیا تو حضرت شاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب نے فوراً فرمایا:

"جاؤ حافظ صرف رونے تو متاثر ہو گیاں اور پھر لحن داودی میں قرآنِ پاک کی یہ آیت پڑھی و جاؤ اباھم عشاء یبکون - یوسف کے بھائی اس کو کنویں میں گرا کر رات کو روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے۔"

حافظ صاحب کہتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب کا یہ آیت پڑھنا تھا کہ میرا دل آئینے کی طرح صاف ہو گیا، اور پرویز کی باتوں کا ذرا بھی اثر نہ رہا۔

پکار وادیٔ خاموش سے خدا کے لئے
ترس گئے ہیں تری آوازِ دل کشا کے لئے

حضرت شاہ صاحب جیسا عاشقِ رسول ﷺ میں نے کیا کسی نے بھی نہیں دیکھا ہو گا---- سن ہو چکا ہے۔ جسم کی توانائی ختم ہو چکی ہے زبان ساتھ نہیں دیتی پھر بھی راولپنڈی میں مولانا غلام اللہ خاں رحمہ اللہ کے جلسہ میں ختمِ نبوت کے موضوع پر تقریر کی یہ تقریر بوجوہ ضائع ہو گئی یا کر دی گئی البتہ اس کا ساتھ آٹھ منٹ کا حصہ باقی محفوظ رہ گیا ہے اکثر لوگوں کے پاس ہے۔ میں نے برطانیہ لے جا کر اس کو تھوڑا صاف کرایا لیکن پھر بھی ضعفِ زبان کی وجہ سے بمشکل سمجھ آتی ہے اور وہ جتنی بھی ہے بوڑھے شیر کی ایسی للکار ہے کہ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخصیت جب صحت مند ہو گی تو کیا قیامت ہو گی۔ ختمِ نبوت کا مسئلہ گو ۱۹۷۴ء میں حل ہو گیا لیکن اس کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے میں امیرِ شریعت رحمہ اللہ کا سب سے زیادہ کردار ہے۔ آپ نے عوام و خواص میں مرزائیت کو گالی بنا دیا۔ آخری عمر میں آپ کو سوائے ختمِ نبوت کے کچھ کام نہیں تھا کچھ یاد نہ تھا حتیٰ کہ آپ نے انتہائی ضعف کی حالت میں چارپائی پر لیٹے لیٹے اس مشن کی خاطر تقریریں کیں اور کون کہتا ہے کہ سید بخاری رحمہ اللہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ یہ انہی کی لگائی ہوئی آگ تھی کہ جس میں انگریز کا یہ خود کاشتہ پودا خشک ہو کر جل گیا۔ آپ کے دو مشن تھے ہندوستان کی آزادی اور مرزائیت کا خاتمہ الحمدللہ ایک آپ کی زندگی میں پورا ہو گیا اور دوسرے کے متعلق فرمایا کہ میں نے ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں ٹائم بم رکھ دیا ہے جو اپنے وقت پر پھٹا، اور اس نے مرزائیت کے قلعہ میں شگاف کر دیے۔

مجھے بارہا یہ خیال آیا کہ اگر سید بخاری رحمہ اللہ مکہ معظمہ حاضر ہوتا اور کعبہ کو دیکھتا تو اس کی کیا کیفیت ہوتی اور اس کے بعد مدینۃ الرسول ﷺ روضۂ اطہر پر حاضری ہوتی تو اس سید زادے کی کیفیت دیدنی ہوتی۔ آپ حسان بن ثابتؓ کے قطعہ کو وہاں جا کر پڑھتے اور درود و سلام کا ہدیہ پیش کرتے تو در و دیوار وجد میں آ جاتے اور شاید یہ سید وہیں اپنی جان اپنے نانا ﷺ پر نچھاور کر دیتا لیکن آپ کے پاس پوری زندگی میں کبھی اتنی رقم نہیں آئی کہ آپ پر زکواۃ فرض ہوتی، حج کا سفر تو دور کی بات ہے---- یاد آیا، ابھی اگلے روز میں جناب احمد ندیم قاسمی کے ہاں گیا تو وہاں مولانا گرامی رحمہ اللہ کا دیوان رکھا تھا۔ میں نے اُسے دیکھنا شروع کیا کہ معاً شاہ جی رحمہ اللہ کی شان میں کہی گئی رباعی سامنے آ گئی۔ دیکھئے کتنی برمحل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخِ اکمل آں بخاری مردِ راہ — حضرتِ سید عطاء اللہ شاہ
بیخودِ آں نازشِ فقرم کہ چید — میوۂ قُربِ حضور از شاخِ آہ!

میں نے آپ کی آخری زیارت مولانا محمد اکرم کی کوٹھی (ماڈل ٹاؤن لاہور) پر کی اس دن آپ کے استاد حضرت مفتی محمد حسن رحمہ اللہ کی کراچی میں وفات ہوئی تھی شیخ حسام الدین نے آپ کو یہ خبر سُنائی اور اس کو سُن کر آپ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگے لیکن آواز نہیں نکلتی تھی۔ آپ کا جسم ایسا کسرتی اور اعصاب اتنے مضبوط تھے کہ شاید و باید لیکن حساس بہت تھے اور پھر اپنے جسم و جاں سے اتنا کام لیا کہ اس کو دیکھ کر شیروں کا پتّا پانی ہو جائے۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اگر آپ اپنے جسم سے اتنا کام نہ لیتے تو آپ کے اعصاب اتنے مضبوط تھے کہ سو سال سے زیادہ تک جیتے۔ لیکن بات تو وہی ہے جو آپ سے مولانا آزاد نے کہی۔ شاہ صاحب نے مولانا سے کہا کہ خدا کرے کہ میری عمر بھی آپ کو لگ جائے۔ اللہ آپ کو عمرِ خضر عطا فرمائے۔ مولانا نے فرمایا "نہیں میرے بھائی! تھوڑی ہو مگر قرینے کی۔" سو آپ نے اپنی زندگی ایک مشن میں بِتا دی۔ ۲۱۔ اگست ۱۹۶۱ء کو ملتان میں آپ کی وفات ہوئی۔

ایمرسن کالج کی گراؤنڈ نے ایسا کثیر اجتماع کسی جنازے میں کاہے کو دیکھا ہوگا۔ اگر آپ کا جنازہ لاہور ہوتا تو اگلے پچھلے سارے ریکارڈ ٹوٹ جاتے۔ گوجرانوالہ، سیالکوٹ، فیصل آباد، شیخوپورہ اور لاہور سے اتنے لوگ اکٹھے ہوتے کہ دنیا دیکھتی۔

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے — جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

رات کو ملتان قاسم باغ میں جلسہ ہوا۔ تمام احرار اکابر نے تقاریر کیں اور مولانا مظہر علی اظہر نے رندھی ہوئی آواز میں کہا کہ "امیر شریعت رحمہ اللہ نے اس دنیا سے جاتے ہوئے ہم سب کو ایک دفعہ پھر اکٹھے کر دیا ہے یہ ان کی بعد از مرگ کرامت ہے۔"

مجلسِ احرار اسلام کے قائدین اور عوام سبھی مخلص تھے دو ایک جو جدا بھی ہوئے تو انہوں نے مجلس یا باقی حضرات کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کہی جو دیانت امانت اور اخلاص یا نظریہ پر حملہ ہو۔ جانبین میں برابر احترام رہا۔۔۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق علامہ اقبال نے کہا ہے:

وہی ہے بندۂ حُر جس کی ضرب ہے کاری — نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری
ازل سے فطرتِ احرار میں ہیں دوش بدوش — قلندری و قباپوشی و کلہ داری
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے — اِنھیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انھیں کا طوافِ بتاں سے ہے آزاد — یہ تیرے مومن و کافر تمام زناری

© rasailojaraid.com